سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن۔ لکھنؤ نمبر ۵

از

عالی جناب مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہ رضوی دام مجدہٗ
فخر الافاضل، فاضل شرقیات

مطبوعہ سرفراز قومی پریس۔ لکھنؤ
قیمت

تعارف

محترمی جناب مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہ کا یہ گران قدر مقالہ اس سے قبل موقر جریدہ سرفراز مورخہ ۲ اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا ہے اور امسال ہم اس کی کثیر نشر و اشاعت کے پیش نظر اپنے سال رواں کے لٹریچر میں شامل کر کے بصورت رسالہ شائع کر رہے ہیں۔

یقین ہے کہ افراد ملت اس رسالہ کی بھی کثیر سے کثیر تعداد برادران وطن میں تقسیم فرما کر عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہوں گے

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ
آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنؤ ۳

محرم ۱۳۸۷ھ

۷۸۶

اشعریت

اہل سنت جس طرح فروعی احکام کے اختلاف کی وجہ سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث، پانچ فرقوں میں بٹ گئے ہیں اسی طرح اصولی مسائل میں ان کے دو بڑے گروہ ہیں (۱) معتزلہ اور (۲) اشاعرہ معتزلہ اب ختم ہو چکے ہیں یا اگر کہیں پائے جاتے ہونگے تو بہت ہی کم۔ ہمارے زمانہ میں تقریباً تمام اہل سنت اصولی عقائد میں اشعریت کے پیرو ہیں۔ اور ان کو اشاعرہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے عقائد کا ماخذ شیخ ابوالحسن اشعری کی ہے۔ یہ بزرگ تیسری صدی میں گزرے ہیں (ولادت سنہ ؟ وفات سنہ ۳۲۴ھ) اور انھوں نے اپنے عقائد کی تشکیل میں قرآن و حدیث سے زیادہ معتزلی عقائد کی مخالفت سے کام لیا ہے۔ اس مختصر مقالے میں انھیں کے چند نظریات کو مرتب طور سے پیش کر دینا مقصود ہے۔ تفصیلی تائید یا تردید کا بار ناظرین پر چھوڑ دیتا ہوں۔

اگر بالکل غیر جانبدارانہ نگاہ سے ان اصول کو دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ ان عقائد کی بنیاد تین چیزوں پر قائم ہے۔

(۱) کائنات میں باہم رابطۂ علت و معلول کے وجود سے انکار۔

(ب) ادراکات عقل کی بے اعتباری۔

(ج) محسوسات کی تکذیب اور معتزلہ کی مخالفت کیے اس امر پر غور کریں کہ ان اصول کو اختیار کرنے کا سبب کیا تھا اور اس سے کیا گل کھلے۔

(الف) کائنات میں باہم رابطۂ علت و معلول کے وجود سے انکار:-

ابتدائے آفرینش سے عقلاً اس دنیا کو عالم اسباب سمجھتے آئے ہیں۔ یعنی خدا نے یہاں ایک ایسا نظام علل و معلولات قائم کر دیا ہے کہ کوئی شئے اپنی علت تامہ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی اور علت تامہ کے پائے جانے پر معلوم کا پیدا ہونا ضروری ہے بالفاظ دیگر علت تامہ اور معلول آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک وجود دوسرے کے وجود کی شہادت دیتا ہے۔ اسی لزوم کو تسلیم کر کے ہم مخلوقات کو دیکھ کر خالق کو پہچانتے ہیں اور مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ اسی رابطہ کے سہارے انسانی دماغ اختراعات و ایجادات کے میدان میں جولانیاں کرتا ہے اور سائنس کی تمام ترقیاں اسی مسلمہ کی بنیاد پر قائم ہیں کہ ہر علت تامہ مکمل اپنے معلولات کے وجود و عدم میں موثر ہے۔ المختصر اشیائے عالم میں باہم علت و معلول کے رابطہ کا پایا جانا ہر زمانے میں مسلم رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فلاسفہ اور سائنس داں اور یہ اور دہریے اس رابطہ کو کسی حال میں قابل تغیر نہیں سمجھتے اور دوسرے اہل مذاہب اس کے قائل ہیں کہ جس خدا نے ان چیزوں میں یہ تاثیریں عطا کی ہیں وہی اگر بشرط ضرورت و مصلحت کسی نبی کی تصدیق کے لئے ان علتوں سے تاثیر کو سلب بھی کر سکتا ہے اور دوسری چیزوں میں ویسی ہی تاثیر پیدا کر سکتا ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں لیکن یہ اختلاف ہمارے موضوع بیان سے قطعاً غیر متعلق ہے کیونکہ اشاعرہ ایک قدم

کہ فی الحال ان چیزوں میں کچھ تاثیر قطعی طور پر موجود نہیں، اور یہ علتیں اپنے معلول کے وجود و عدم میں فی الحال قطعاً موثر نہیں۔

پہلا عقیدہ

مگر شیخ اشعری یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کسی چیز میں خدا نے کوئی تاثیر ودیعت ہی نہیں کی ہے یہاں کوئی شے کسی دوسری شے کی علت ہی نہیں ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ایک شے کے پائے جانے پر دوسری شے پیدا ہو جاتی ہے ورنہ ان دونوں میں نہ کوئی لگاؤ ہے نہ لزوم ہے اور نہ اتفاقی یکجائی کے علاوہ کوئی نسبت یا علاقہ ہے تم جس کو علت تامہ کہتے ہو وہ دراصل علت ہی نہیں ہے اور نہ معلول اس کا معلول ہے خود شیخ مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

لا علاقة بوجه من الوجوه بين الحوادث المتعاقبة الا بجرى العادة فيكون مصاحبته اى من عادته مساوقته له وقوعها۔

اگر دو حوادث ہمیشہ پے در پے ہوتے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں کسی قسم کا بھی کوئی علاقہ یا رابطہ ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا کی یہ عادت ہے کہ جب پہلے امر کو پیدا کرے تو دوسرے کو بھی پیدا کر دے۔

بہ الفاظ دیگر نہ یہ دنیا عالم اسباب ہے نہ یہاں کوئی نظام یا رابطہ ہے بلکہ یہ سارا کارخانہ اتفاقات پر چل رہا ہے۔

صاحب ابطال الباطل نے اپنے مرشد کے قول کی مزید توضیح یوں فرمائی ہے کہ پانی پینے کے بعد سیرابی اور آگ میں گر پڑنے کے بعد جل جانا، پانی یا آگ کی تاثیر نہیں بلکہ یہ محض اتفاق و عادت ہے کہ جس وقت خدا ہمارا ہاتھ آگ میں ڈالے جاتا ہے اس وقت اس میں سوزش اور جلن پیدا کر دیتا ہے۔

اب حسب قرارداد ہمیں غور کرنا ہے کہ اس عجیب و غریب نظریہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیخ اشعری تیسری صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ زمانہ بنی عباس کی سلطنت کا تھا۔ رسالتمآب کے انتقال کے بعد سے ہر برسر اقتدار حکومت (باستثنائے چند) سنی ہی ہوتا تھا یا ریاست کا مذہب سنی تھا اور سلطان وقت معمولی پوزیشن نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ ایک تقدس آمیز حیثیت کا مالک ہوتا تھا اور اسے رسول کا جانشین سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ تیمور کے دربار میں کسی نے ثابت کر دیا تھا کہ دولت اندھی ہوتی ہے وہ اہل اور نااہل میں کم امتیاز کرتی ہے چنانچہ باستثنائے چند یہ تمام خلفاء اخلاقی پستی میں مبتلا تھے ان کی زندگی عیش و عشرت کا دلفریب مرقع تھی۔ انھوں نے شراب و رباب، رقص و سرود اور لولیان شوخ و شنگ کی ہم نشینی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اگر یہ لوگ صرف دنیاوی سلطنت کے مدعی ہوتے تو چنداں مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن خلافت رسول کی عبا دوش پر رکھ کر ایسی حرکتیں! دین رسول کے مخالف اور احکام رسول کی صریح خلاف ورزی! عوام کی نگاہوں میں یہ باتیں کھٹکتی رہتی تھیں خصوصاً جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ایسے افراد کو اپنا امام سمجھتا ہے جن کے دامن طہارت پر کسی جرم کا شائبہ تک نہیں تھا اور ان کے کٹر سے کٹر مخالفین ان میں کسی قسم کی برائی ڈھونڈ نکالنے سے قاصر رہتے ہیں اور گویا عملاً ان کی عصمت کا اقرار کرتے ہیں۔

دوسرا عقیدہ

یہ وہ وقت تھا جب حکومت نے مذہب سے مدد حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ابتدا سے اب تک حکومت ہی نے تسنن کو پھیلایا تھا۔ اب احسان کی جزا کا ہنگام آگیا تھا لہٰذا اہل تسنن نے سلاطین کی وقعت

عزت کو بچانے پر کمر باندھلی۔ اور علما نے عوام کو یہ باور کرانا شروع کیا کہ بندے کے افعال کی ذمہ داری قطعی طور سے خدا پر ہے بندے کو اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے کیونکہ جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔ شیخ اشعری سے بہت پہلے یہ نظریہ عوام میں مقبول ہو چکا تھا لیکن ظاہر ہے کہ اس نظریہ کو اس وقت تک عقلاً ثابت کرنا دشوار تھا جب تک لوگ دنیا کو سلسلۂ علل و معلولات کا پابند سمجھتے رہتے۔ صرف افعال عباد کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور دنیا کی ہر شے کو اپنے اسباب ظاہرہ کا معلول تسلیم کرتے رہنا تضاد کی ایک حیرت انگیز مثال ہوتا یہی وہ احساس تھا جس نے شیخ اشعری کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ صرف بندے ہی اپنے افعال پر مجبور محض نہیں ہیں بلکہ دنیا کی کوئی بھی چیز کسی دوسری چیز کی علت نہیں ہے۔ یہاں بظاہر جو رابطہ علت و معلول نظر آتا ہے وہ ایک اتفاق و عادت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ شیخ مذکور کا احسان ہے کہ انھوں نے عقیدہ سابق کے تضاد کو ختم کر دیا اور خدا کو افعال عباد کا ذمہ دار گردانے میں مزید سہولت پیدا کر دی۔

تیسرا عقیدہ

یہ تھا پہلا فائدہ اور پہلی غرض تھی ممکنات کے حادث ہونے سے انکار کی، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ رویت الٰہی کے اثبات کا دردسر ختم ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مجسمہ فرقے کے متبع یا عام اہلسنت بھی اس کے قائل ہیں اور تھے کہ خدا کا دیدار ہوگا اور مومنین اسے دیکھ کر پہچان لیں گے۔ زحمت یہ آ پڑی تھی کہ مجسمہ تو خدا کو مجسم مانتے تھے اس لئے وہ بہ اطمینان امکان دیدار کا دعویٰ کرتے تھے لیکن عام اہلسنت اسے جسم و جسمانیات سے منزہ بھی کہتے تھے اور امکان بلکہ وقوع رویت کے بھی قائل تھے۔ اس بنا پر شیعہ یہ اعتراض جڑ دیتے تھے کہ رویت کے لئے تو حسب ذیل شرطیں

لازم ہیں :-

(۱) دیکھنے والی قوت باصرہ کا صحیح و سالم ہونا۔ (۲) دیکھے جانے والے کا آمنے سامنے ہونا (۳) دونوں کا بہت قریب نہ ہونا (۴) دونوں کا بہت دور نہ ہونا (۵) دونوں کے درمیان کسی حجاب کا حائل نہ ہونا (۶) دیکھے جانے والے کا ہوا کی طرح شفاف نہ ہونا بلکہ کثیف ہونا (۷) اس پر روشنی کا پڑنا (۸) دیکھنے کا ارادہ بھی ہونا۔

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو رویت محال ہے چہ جائیکہ غیر جسمانی خدا کے لئے تو چھ چھ شرطیں مفقود ہیں لہٰذا رویت باری تعالیٰ کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟

لیکن شیخ اشعری نے اپنے مذکورۂ بالا نظریہ کی بنا پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ شرطیں رویت کی علت ہی کب ہیں یہ تو محض اتفاق ہے کہ جب خدا ان چیزوں کو مجتمع کر دیتا ہے اسی وقت رویت کو بھی پیدا کر دیتا ہے۔ ورنہ یہ چیزیں رویت کی شرط یا علت نہیں ہیں (کیونکہ کائنات میں کوئی چیز دوسری چیز کی علت نہیں ہے) اشاعرہ کو اس امر میں اتنا غلو ہے کہ وہ ذائقہ اور بو کو بھی قابل رویت سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ اشعری کا یہ عقلی استدلال، بے حد عجیب اور موصوف کی قوت دماغی کا آئینہ دار ہے۔ استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ:-

ا۔ جوہر[1] اور عرض[2] دونوں قابل رویت ہیں۔

ب۔ ان دونوں میں موجود ہونے اور حادث ہونے کے علاوہ کوئی امر مشترک نہیں ہے جو رویت کی علت مشترک بن سکے۔

---

(۱) جوہر وہ شے جو اپنے وجود خارجی میں کسی موضوع میں پائے جانے کی محتاج نہ ہو (بقیہ حاشیہ ص ۱۰)

ج. حادث ہونا ایک امر عادی ہے لہٰذا اس میں علت بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

د. لہٰذا معلوم ہوا کہ وجود ہی قابل رویت ہونے کا سبب اور علت ہے۔

ج. اور وجود واجب الوجود (خدا) اور ممکن الوجود (کائنات) دونوں میں مشترک ہے۔

لہٰذا جس طرح تمام ممکن الوجود قابل رویت ہیں اسی طرح واجب الوجود یعنی باری تعالیٰ بھی قابل رویت ہوگا۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ:

ا. جوہر کو آج تک کسی نے دیکھا ہی نہیں اور نہ اس کا دیکھنا ممکن ہے غیر مادی جوہر مثلاً روح یا نفس ناطقہ کا ذکر تو چھوڑیئے۔ مادی جواہر میں بھی ہم اس جوہر کے رنگ اس کی مقدار اور ہیئت کے علاوہ اور کچھ دیکھتے ہی نہیں اور یہ تمام چیزیں عرض ہیں۔ علاوہ بریں ہم ہر عرض کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مزہ اور بو کو کس نے دیکھا؟

ب. وجود اور حدوث کے علاوہ رویت کے لئے کچھ اور بھی شرطیں ہیں جنھیں اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

ج. حدوث (یعنی معدوم ہونے کے بعد موجود ہونا) عدمی چیز کیونکر ہو سکتا ہے؟

(بقیہ حاشیہ از ص۸)

جیسے جسم یا نفس ناطقہ۔

سے عرض وہ شے جو اپنے وجود خارجی میں کسی موضوع میں پائے جانے کی محتاج ہو جیسے رنگ، بو یا مزا۔ کہ یہ چیزیں ہمیشہ کسی جوہر میں پائی جائیں الگ ہو کر نہیں پائی جا سکتیں۔

یہ تو وجود کی نفی ہے ۔

د۔ وجود واجب الوجود اور ممکن الوجود میں مشترک ہرگز نہیں ہے اور اس کا اعتراف خود شیخ اشعری نے دوسرے مقامات پر کیا ہے ۔

لہٰذا اشعری دلیل کے تمام مقدمات عقلاً ناقابل تسلیم اور پوری دلیل بالکل لایعنی ہے ۔

یہ تو اس دلیل (یا سفسطہ) کا حال تھا مگر تضاد کا یہ حیرت انگیز کرشمہ قابل دید ہے کہ شیخ اشعری جن کے اصول و نظریات کی بنیاد ہی اس عالم میں رابطۂ علت و معلول کے انکار پر قائم ہے وہ "وجود کو قابل رویت ہونے کی علت قرار دے رہے ہیں" اور یخربون بیوتھم بایدیھم و ایدی المومنین کے مصداق بن رہے ہیں ۔

(ب) ادراکات عقل کی بے اعتباری :۔

چوتھا عقیدہ

ممکنات کی علت نہ ماننے کے بعد لازمی طور سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ صحیح استدلال کے باوجود صحیح نتیجہ پر پہونچنا ضروری نہیں ہے ۔ کیونکہ دلیل نتیجہ کی علت نہیں بن سکتی یعنی یہ ممکن ہے کہ ہم یہ دو مقدمات قائم کریں کہ :۔

ا۔ اس وقت آفتاب نکلا ہے
ب۔ جب آفتاب نکلا ہو تو دن ہوتا ہے۔
اور اس سے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ :۔

نتیجہ :۔ انگور کھٹے ہیں ۔ یا اس وقت اندھیری رات ہے ۔ طرہ یہ کہ اشاعرہ اپنے مذہب کی حقانیت کے لئے دلائل پیش کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں فرماتے ہیں اور

دلائل سے برآمد شدہ نتیجہ کو اصولاً ناقابل توجہ بھی قرار دے رہے ہیں

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

پانچواں عقیدہ

عقل کو اس طرح معطل کر دینے کے بعد یہ کیونکر ممکن تھا کہ اشیاء کے حسن و قبح کے پرکھنے کا حق عقل کو دیا جاتا اس لئے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اشیاء یا افعال میں نہ ذاتاً کوئی برائی ہے نہ اچھائی اور نہ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے بلکہ شریعت کے امر و نہی سے افعال حسن و قبیح بن جاتے ہیں یعنی امانت اور خیانت دو عمل دونوں بالکل یکساں ہیں ان میں بالذات کوئی اچھائی ہے نہ برائی اگر شریعت خیانت کی اجازت دے دیتی تو وہی ممدوح اور مستحسن بن جاتی لیکن چونکہ شریعت نے منع کر دیا اس لیے محض منع کر دینے کی وجہ سے اس میں برائی پیدا ہو گئی۔ اسی طرح اگر شریعت امانت کو ممنوع قرار دے دیتی تو وہی فعل قبیح بن جاتی مگر چونکہ شریعت نے اس کا حکم دے دیا اس لئے محض اس حکم کی وجہ سے اس میں حسن پیدا ہو گیا۔

اب ایک زینہ اور اوپر چڑھیئے۔

چھٹا عقیدہ

چونکہ کسی کام میں بالذات کوئی حسن یا قبح نہیں ہے بلکہ محض شارع کے حکم سے اس میں حسن و قبح پیدا ہو جاتا ہے اور شریعت محض بندوں کے لئے واجب العمل ہے اس لئے خدا ہر کام کر سکتا ہے اس کے لئے کوئی چیز قطعاً قبیح نہیں ہے۔ یہ بہت مہتم بالشان عقیدہ ہے اور دراصل ان پہلے زینوں سے اسی منزل تک پہنچنا شیخ اشعری کو مدنظر تھا۔ اگرچہ یہ بھی منزل مقصود نہیں ہے۔ اصل لیلائے مقصد اس پردہ کے پیچھے ہے آگے چل کر شاہد مدعا کا جلوہ دکھا دیا جائے گا۔

بندوں کے افعال کا ذمہ دار خدا کو قرار دینے پر شیعہ یہ اعتراض کرتے

تھے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خدا خود جھوٹ بولے یا بنوائے خود بدکاری کا

مرتکب ہو، خود گناہوں کی طرف اقدام کرے اور بیچارے ضعیف و مجبور بندوں سے

ان گناہوں کا انتقام لے جن کا ذمہ دار دراصل وہ خود ہے یہ تو سراسر ظلم ہے اور

ظلم چونکہ عقلاً قبیح ہے اس لئے خدا سے اس کا صدور ناممکن ہے۔ اسی سے یہ معلوم

ہوا کہ نہ خدا ظالم ہے اور نہ وہ ان افعال کا ذمہ دار ہے بلکہ بندے ہی اس کے

ذمہ دار ہیں ورنہ خدا ان پر عذاب نہ کرتا۔

اس اعتراض کی رد امام ابوحنیفہ سے بھی ممکن نہ ہو سکی۔ جیسا کہ بہلول دانا

کے ڈھیلے والا واقعہ اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ علاوہ بریں موصوف کا امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام کے مقابلہ میں اس مسئلہ پر سرنگوں ہو جانا بھی علمی دنیا میں مشہور ہے مگر

آفرین ہے شیخ اشعری کی ذہانت پر کہ انھوں نے یہ نظریہ ایجاد کر لیا کہ خدا کے لئے کوئی چیز

قبیح ہے ہی نہیں۔ اگر خدا کوئی ایسا کام کرے جس سے عقل سلیم ظلم سمجھتی ہے تو سمجھا کرے

اسے آخر یہ سمجھنے کا حق ہی کہاں ہے ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ساتواں عقیدہ یہی نہیں، اس نظریہ سے ایک اور اعتراض ختم ہو گیا اور

شیعوں کے لئے دلائل کا ایک مزید اور دروازہ بند ہو گیا یعنی

یہ دانشمند خلفاء کے مقابلے میں اپنے معصوم ائمہ علیہم السلام کے فضائل بار بار پیش

کر کے کہا کرتے تھے کہ ایک افضل فرد کی موجودگی میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا کیونکر جائز ہے

جو اس سے کم فضیلت رکھتا ہو یا اسے فضیلت سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ یہ ذہنیت

فاضل پر ترجیح دینا عقلاً قبیح ہے۔ شیخ اشعری نے عقل کو معطل کر کے اس اعتراض سے با

گلو خلاصی کر لی۔ اور یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ نبی یا خلیفۂ نبی کا اپنے عہد کے سب لوگوں سے افضل

ہونا ضروری نہیں ہے۔ غور فرمائیے کہ کہیں اسی عقیدہ کی نیو ڈالنے کے لئے تو یہ سارے ڈھونگ

نہیں رچائے گئے ہیں ؎

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم

کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

تعطیل عقل کے اصلی اغراض بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تعطیل کے نتائج کا

بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل عقائد قابل بیان ہیں۔

آٹھواں عقیدہ

(۱) خدا کے افعال کسی مصلحت کے تابع نہیں ہوتے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ

کیونکر ممکن ہے کہ قدرت ایزدی مصلحت سے متاثر ہو جائے۔

کسی فعل میں کوئی ذاتی مصلحت تو ہوتی نہیں بلکہ خود فعل الٰہی اسے با مصلحت بنا دیتا ہے۔ اگر ہم

یہ اعتراض کریں کہ بے مصلحت کاموں کا صدور عقلاً نازیبا ہے تو اشعری انکار حسن و قبح عقلی کی

سپر پہلے سے لئے بیٹھے ہیں۔

اب کون سمجھائے کہ مصلحت علم خداوندی کا دوسرا نام ہے قدرت کا علم سے ہم آہنگ ہونا کب قابل اعتراض سمجھا گیا ہے

اور اگر ہو بھی تو خدا تو حسن و قبح کی حد سے بہت پرے ہے بہرحال یہ عقیدہ اعجب العجائب ہے۔

نواں عقیدہ

ایک اور عقیدہ جو بعثت انبیاء کو لاحاصل بنا دے سکتا ہے یہ

ہے کہ معرفت الٰہی واجب تو ہے مگر عقلاً نہیں بلکہ محض اس

لئے کہ شریعت نے حکم دیا ہے۔

اب فرض کرو کہ ایک نبی آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نبی ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ اس کے مخالفین کہتے ہیں کہ ہم بھیجنے والے یعنی خدا ہی کو نہیں پہچانتے تو اس کے بھیجے ہوئے کو کیا جانیں اور کیونکر ایمان لائیں؟ نبی کہتا ہے کہ اچھا خدا کو پہچان لو۔ وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو پہچاننا ہی کونسا ضروری کام ہے کہ خواہ مخواہ اس کے لیے درد سر مول لیں۔ اب اگر نبی کہے کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ خدا کو پہچاننا بہت ہی ضروری اور سب سے زیادہ واجب کام ہے کیونکہ میں بحیثیت نبی تم سے کہتا ہوں اور میری لائی ہوئی شریعت اس کو واجب اول کہتی ہے۔ اور مخالفین یہ کہدیں کہ ہم نے ابھی آپ کو نبی کب مانا کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کو مانیں اور آپ کے کہنے سے خدا کو پہچاننے کی زحمت گوارا کریں اور اس کے بعد حرام و حلال کی زحمتوں میں گرفتار ہوں۔ تو نبی کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

دسواں عقیدہ

ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدا طاقت بشری سے بڑھ کر بلکہ محالات کی بھی تکلیف دے سکتا ہے کیونکہ قباحت عقلی کا سوال ہی ختم ہو چکا ہے اس کے لیے کچھ بھی قبیح نہیں ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

نمک تشریح کا مسئلہ

اب مضمون کے ابتدائی فقرات کے مطابق مجھے محسوسات کی

تکذیب ، کے متعلق کچھ کہنا چاہیئے تھا۔

لیکن خیال یہ آتا ہے کہ وہ خالص علمی اور فنی مباحث ہیں اور ناظرین شاید انہیں خشک مباحث کا مطالعہ پسند نہ فرمائیں اس لئے عنان قلم کو روک لیا ہے لیکن ایک امر کی طرف توجہ دلا دینا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ ان تمام عقائد میں آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ہر عقیدہ کا رُخ خلافت کے مباحث کی طرف مڑ جاتا ہے اور در اصل خلافت خلفاء جو رہی وہ محور ہے جس پر توحید کے مسائل بھی گردش کر رہے ہیں۔ ان خلافتوں کو اعتراضات کی زو سے بچانے کے لئے توحید و نبوت کے معیار بھی پست کر دیئے گئے ہیں۔ اور ایک ایسا علم کلام ترتیب دیا گیا ہے جس میں عقل و استدلال کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے خلافت کے ان ہمہ گیر اثرات کو دیکھتے ہوئے رسُول کی اس مشہور حدیث کی صداقت میں کسے شک و شبہ ہوسکتا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ امام زمانہ کو نہ پہچاننے کا نتیجہ جاہلیت کی موت ہے۔

در اصل ہمارے لئے (عہد رسُول کے بعد والوں کے لئے) امامت و خلافت ہی وہ دروازہ ہے جس سے ہو کر ہم خدا و رسُول تک پہونچ سکتے ہیں اور اگر اسی دروازہ کی شناخت میں غلطی ہوگئی تو بقول سعدی ؎

ترسم بہ کعبہ نرسی اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

حسینی فنڈ

امامیہ مشن لکھنؤ

اس فنڈ کے معطیان کو ان کی رقم عطیہ کے بعد منہائی اخراجات ڈاک دوگنی قیمت کے رسائل واقعہ کربلا سے متعلق اردو، ہندی یا انگریزی جس زبان میں مطلوب ہوں محرم سے قبل ہی بذریعہ ریلوے پارسل یا رجسٹرڈ پوسٹ سے ارسال کر دیئے جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے وہاں "یوم عاشورہ" اس لٹریچر کو برادران وطن میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہمارے وطنی بھائی بھی کربلا کی عظیم قربانیوں اور اس کے پس منظر سے باخبر ہو کر اسلام حقیقی سے متعارف ہو رہے ہیں۔

تمام برادران ایمانی کا فریضہ ہے کہ اس اہم دینی مقصد کے سلسلہ میں اپنے اس مشن کی کسی ممکن امداد سے دریغ نہ کریں اور "حسینی فنڈ" میں اپنے گراں قدر عطایا سے امداد فرما کر عند اللہ و عند الرسولؐ ماجور ہوں۔ اس فنڈ میں چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی شکریہ کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳